دیویندر اِسّر کے افسانے

شموئل احمد

لیلی بلوسم اپارٹمنٹ، پیلر نمبر 177، نزد ہنڈئی سروس سینٹر، اپرپلّی، حیدرآباد۔500048، موبائل: 9835299303

ہرمن ہیس ساری عمر روحانی کرب سے گزرتے رہے۔انھوں نے جب ناول سدھارتھ لکھا تو ایک ناقد نے کہا کہ ہرمن ہیس ویدانتی فلسفہ کا قرض چکتا کر کے راحت محسوس کر رہے ہیں، لیکن سدھارتھ کے بعد بھی اپنی تصنیفوں میں ہرمن ہیس اسی روحانی تشنگی کے شکار نظر آتے ہیں۔

دیویندر اسّر بھی شاید اسی صورت حال سے گزر رہے ہیں۔ان کی سوچ گرچہ ویدانت سے کسب فیض کرتی نظر نہیں آتی بلکہ وہ وجودی فلسفہ کے زیادہ قریب معلوم ہوتے ہیں، لیکن ان کا اصل مسئلہ روح کی نجات کا مسئلہ ہے۔

کسی فنکار کی شخصیت سے متعارف ہوئے بغیر اس کے فن پاروں کی مختلف جہات کو گرفت میں لینے کی کوشش دھندلی ہو جاتی ہے۔ دیویندر اسّر کی کہانیوں کی پرتیں اُلٹنے کے لیے ان عناصر سے آشنائی بھی ضروری ہے جو اسّر کی شخصیت کے لازمی جز ہیں۔ اس اعتبار سے ان کی تصنیف ''خوشبو بن کے لوٹیں گے'' کا مطالعہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جو اردو میں مابعد جدید ناول کی طرف ایک مثبت قدم ہے۔اس ناول میں انھوں نے کھل کر زندگی، ادب اور فن سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے بلکہ جسموں کی بات کرتے ہوئے وہ اپنا پہلا جنسی تجربہ بھی بیان کرنے سے نہیں چوکتے۔ یہ ناول ایک طرح سے ان کی سوانح عمری بھی ہے اور ان کا Confession بھی ہے۔خود اسّر اسے Autowriting کا نام دیتے ہیں۔

''خوشبو بن کے لوٹیں گے'' میں ایک جگہ آیا ہے:

''میرے دل کے کسی کونے میں برسوں سے ایک ناگ چھپا بیٹھا ہے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، چلتے پھرتے جب بھی میں کبھی بھی کہیں بھی تنہا ہوتا ہوں تو یہ ناگ پھنکارنے لگتا ہے اور پوچھتا ہے تو پھر تم نے کیا فیصلہ کیا.....؟ فیصلہ.....؟ کس بات کا فیصلہ.....؟ تم مجھے نجات دو گے یا نہیں یا میں تمہیں ڈس لوں .....؟ اور اگر میں نے تمہیں ڈس لیا تو پھر تم تم نہیں رہو گے۔ وہ بن جاؤ گے جو میں ہوں۔ جو وہ ہے جس نے مجھے جنم دیا ہے اور تمہاری روح میں داخل کر دیا ہے۔

بہت عمر بیت گئی۔ وہ کسی بھی لمحہ مجھے ڈس سکتا ہے۔قتل کے میں قابل نہیں خودکشی میں کر نہیں پایا۔ بغاوت بے اثر ثابت ہوئی۔ خودسپردگی ممکن نہیں.....تو پھر.....؟

سنا ہے ہر انسان کی نجات دوسرے کو آزاد کر دینے میں ہے۔ میری نجات کا بھی یہی راستہ ہے۔ مجھے اس ناگ کو نجات دینی ہی ہے۔''

اسّر کی کہانیاں اسی داخلی کشمکش کی کہانیاں ہیں جہاں ان کے کردار اس ناگ سے گتھم گتھا ہوتے نظر آتے ہیں۔

اسّر کے فلسفۂ حیات میں ''خودکشی'' بھی ایک نظریے کی صورت رکھتی ہے۔ان کے نزدیک ''احساس'' کو بچانے کے لیے جسم کو فنا کر دینا ضروری ہے۔''خوشبو بن کے لوٹیں گے'' کا ایک اقتباس دیکھئے:

''جب کوئی انسان اپنے دل و دماغ اور جسم کو کورو کشیتر بناتا ہے تو اس جنگ میں عام طور پر خود کو فنا بھی کرتا ہے۔ کیوں کہ وہ خود ہی کرشن بھی.....

میں اس خودکشی کی بات نہیں کر رہا ہوں جو کسی ناقابل برداشت حالت کے دباؤ میں اذیت کے عروج میں ذہنی مرض یا خلا یا مایوسی میں کسی لمحاتی کیفیت میں ہوتی ہے۔ بلکہ اس خودکشی کی بات کر رہا ہوں جس کے پیچھے ایک لمبا سفر ہے، جدوجہد ہے، انکار ہے، تکرار ہے، تخلیق اور فکر و خیال ہے.....

میں خودکشی کے بارے میں اس لیے نہیں سوچتا کہ زندگی بے معنی اور لغو ہے، بلکہ اس لیے کہ میں جنم اور موت میں ایک پر اختیار چاہتا ہوں.....''

یعنی اسّر کے نزدیک فرد کو اتنی آزادی میسّر ہے کہ وہ زندگی یا موت میں سے کسی ایک کا انتخاب کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کہانیوں کے

بیشتر کردار یا تو خودکشی کر لیتے ہیں یا کہیں گُم ہوجاتے ہیں۔ کہانی ''تصویر اور نئے رنگ'' میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''انسان اس حقیقت سے زندہ نہیں رہتا جسے اس نے پالیا ہے بلکہ اس تصور سے جسے وہ حقیقت کا روپ دینے کے لیے روشنی اور سائے کے سنگم پر رک کر وقت کے رکنے کا انتظار کرتا ہے اور اس انتظار کے کرب سے گزرتا ہے۔''

اسّر کے لفظوں میں کسی جذبے سے محروم ہوجانے کا احساس بڑا اذیت ناک ہوتا ہے اور اسی ''احساس'' کو بچانے کے لیے جو زندگی کا پتہ دیتا ہے جسم کا فنا ہونا ضروری ہے۔ آدمی جسمانی سطح پر ہی نہیں جذباتی، روحانی اور اخلاقی سطح پر بھی جیتا ہے۔ اسّر کی کہانیوں کا وہ کردار جو حسّی سطح پر جیتا ہے اور جب کسی جذبے کی محرومی کے شدید احساس سے گزرتے ہوئے یہ محسوس کرتا ہے کہ روشنی اور سائے کے سنگم پر رک کر مزید انتظار کا کرب نہیں جھیل سکتا تو وہ خود کو فنا کر لیتا ہے۔ اسّر کہتے ہیں کہ جسم تو اپنی راہ ڈھونڈ لے گا، لیکن اس احساس کو بچانا ضروری ہوتا ہے جس ''احساس'' سے زندگی کے ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ کہانی ''سیاہ تل'' کی سونیا خودکشی کرتی ہے۔

سونیا کی گردن پر ایک سیاہ تِل ہے جو اس کی خوبصورتی میں چار چاند لگاتا ہے۔ کہانی میں گردن کا تل سونیا کے حسن اور اس کے وجود کی علامت بن کر ابھرتا ہے، لیکن جس تِل سے اس کا وجود قائم ہے وہی تِل اس کی موت کا باعث بھی بنتا ہے۔ سونیا ماڈلنگ کرتی ہے۔ اس کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ ماڈلنگ کے دوران کوئی اس کے تل کی بھی تصویر اتارے کیوں کہ وہ حسن کو گناہ کے تصور سے ملوث کرنا نہیں چاہتی۔ فوٹو گرافر جب اس کے تل کی تصویریں لینے لگتا ہے تو وہ تل کو انگلیوں سے چھپانے کی کوشش کرتی ہے، لیکن کامیاب نہیں ہو پاتی۔ سونیا کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ تل جس کا لمس کسی کے پیار کی شدت کا اظہار ہے اور جس میں خود اس کی روح سمٹ کر آ گئی ہے گناہ میں ملوث ہو رہا ہے۔ گویا خود اس کا وجود گناہ آلود ہونے لگا ہے۔ اپنے اس احساس کو بچانے کے لیے کہ حسن کو گناہ میں ملوث نہیں ہونا چاہئے، سونیا اپنے وجود کو ختم کر دیتی ہے۔

''کالے گلاب کی صلیب'' کی سلویہ بھی خودکشی کرتی ہے۔ وہ تنہائی کے لامتناہی احساس سے چھٹکارا حاصل نہیں کر پاتی۔ وہ اس ماورائی رشتے پر یقین کرنا چاہتی ہے، جس سے دو انسان آپس میں بندھ جاتے ہیں، لیکن اس کو ہمیشہ یہی محسوس ہوتا ہے کہ رشتہ جسموں کا ہوتا ہے پھر بھی وہ اپنے خوابوں کو حقیقت سمجھ کر جیتی رہتی ہے، لیکن ایک دن جب اس کو اچانک احساس ہوتا ہے کہ اس کے تصور اور حقیقت میں ایک وسیع خلیج حائل ہے اور خود وہ جس رشتے میں بندھی ہے وہ ماورائی نہیں جسم کا رشتہ ہے اور وہ اس پر نہ اپنی بانہوں کا پل باندھ سکتی ہے نہ روح کا ڈورا تو وہ خودکشی کر لیتی ہے۔

کہانی ''تین خاموش چیزیں اور ایک زرد پھول'' کی فرینڈ ابھی جان دے دیتی ہے۔ ''پرندے اب کیوں نہیں اڑتے'' کی روزی بھی جان دے دیتی ہے۔ ''نیند'' کی ایرا بھی خواب آور گولیاں کھا کر مرنے کی کوشش کرتی ہے۔ ''پرانی تصویر نئے رنگ'' کا شوبھ بھی لا پتہ ہوجاتا ہے۔ ''بجلی کا کھمبا'' کا نوعمر لڑکا بھی مر جاتا ہے۔

اسّر کے یہاں خودکشی کرنے والے کرداروں میں زیادہ تر نسوانی کردار ہیں۔ دراصل اسّر کی کہانیوں کی عورت ازل سے پیاسی ہے۔ وہ برکھا کے انتظار میں جیتی ہے یا مر جاتی ہے۔ وہ جسمانی لذّت کے لیے کوشاں نظر نہیں آتی۔ وہ اس سے بیزار بھی نظر نہیں آتی۔ وہ جسم سے ماورا نظر آتی ہے اور ان ہاتھوں کا لمس چاہتی ہے جس میں روح پھسل کر آ جاتی ہے اور دل تحفے کے روپ میں ملتا ہے۔ (بجلی کا کھمبا)

اسّر اگرچہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ عورت اور مرد کی دوستی میں جنس کا سفر کسی نہ کسی شکل میں موجود ہوتا ہے اور ان کا رشتہ جنس سے عاری بھی ہوسکتا ہے اور جنس پر مبنی بھی، پھر بھی وہ دل کے رشتے پر یقین رکھتے ہیں جسم کے رشتے پر نہیں۔ ان کے نزدیک دوستی یا قربت میں عورت کو عورت کے روپ میں لینا ایک طرح کا سستا پن ہے۔ اسّر کے لفظوں میں آدمی تین طرح سے محسوس کرتا ہے۔ جسم سے، دماغ سے اور دل سے۔ ان کی کہانیوں کا کردار زندگی کو پہلے جسم کے لمس سے محسوس کرنا چاہتا ہے، لیکن پھر یہ حقیقت کھلتی ہے کہ جسم سے پرے بھی کچھ آوازیں ہیں..... رنگ ہیں .....دائرے ہیں..... (کہانی گلین) فرینڈ اپیار کرنا چاہتی ہے، لیکن جسم کو ہاتھ لگانے نہیں دیتی۔ وہ جسم اور روح کی کشمکش میں جیتی ہے اور جاننا چاہتی ہے کہ جسم سے پرے کوئی چیز ہے یا نہیں۔ سلویہ کو ماورائی بندھن کی تلاش ہے۔ ایرا رات دن اس کرب سے گزرتی ہے کہ ان کے پاس ایک دوسرے کو دینے کے لیے ننگے جسموں کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ سونیا بھی حسن کو گناہ کے تصور سے ملوث کرنا نہیں چاہتی!

اسّر کے مطابق ان تمام تنہائیوں کے باوجود انسان ایک دوسرے سے ماورائی رشتے میں بندھا ہوا ہے۔ اسّر تہذیب کی اس منزل کی تلاش میں سرگرداں نظر آتے ہیں جہاں انسان کو محض انسان کی حیثیت سے پہچانا جا سکے۔ اسّر لکھتے ہیں کہ Organisation میں آدمی کی شناخت نہیں

ہوتی، موت ہوتی ہے (کہانی کالی بلّی)

دراصل دیویندر اسّر کا مسئلہ روح کی نجات کا مسئلہ ہے، لیکن روح کا راستہ بھی جسم سے ہوکر گزرتا ہے، اس لیے ان کی کہانیوں میں دو متضاد کردار ملتے ہیں۔ ایک جسم کی سطح پر جیتا ہے اور دوسرا جسم سے ماورا ہوجانے کی داخلی کشمکش میں نظر آتا ہے۔ ان کی کہانیاں دل و دماغ اور جسم کے تکون میں جکڑی ہوئی روح کا المیہ بیان کرتی ہیں:

''ہر انسان کی دنیا میں اتنا کچھ ہے شاید وہ اپنے ہم راز دوستوں کے سوا کسی سے شیئر نہیں کرسکتا، پھر بھی ایسا کچھ رہ جاتا ہے جو وہ ان سے بھی شیئر نہیں کرسکتا سوائے اپنے سے، لیکن حالت تب اور بھی پراسرار اور سنجیدہ ہوجاتی ہے جب وہ جو باقی بچا رہ جاتا ہے اپنے سے بھی شیئر کرنے سے ڈرتا ہے.....''

(خوشبو بن کے لوٹیں گے)

اسّر کی کہانیاں ایسے ہی سنجیدہ اور پراسرار لمحوں کی بازیافت ہیں۔

''پرانی تصویر نئے رنگ'' کا شوبھ ایک مصور ہے اور شیل سے عشق کرتا ہے۔ اس کی ایک ہی خواہش ہے کہ وہ شیل کی خوبصورت انگلی میں کبھی سونے کی انگوٹھی پہنا سکتا، لیکن وہ بے کار ہے اور اپنے خواب کو شرمندۂ تعبیر نہیں کرسکتا۔ شوبھ کے عشق کے تصور میں جسم کو دخل نہیں ہے۔ شوبھ جسم کی لذّتوں سے گزرنا چاہتا ہے، لیکن عشق میں روایت کی پاسداری بھی ضروری سمجھتا ہے۔ وہ ایک فاحشہ کے ساتھ ہم بستر ہوتا ہے، لیکن شیل کے ساتھ نہیں۔ وہ جسم اور دل کی کشمکش کو رنگوں میں بھرنا چاہتا ہے، لیکن اس کشمکش میں اس کی شخصیت بھی منقسم ہونے لگتی ہے۔ آخر وہ ان لمحوں سے بھی گزرتا ہے جب عشق میں جسم کی تسکین شامل ہونے لگتی ہے.....اور تب شوبھ شاید ان لمحوں کو اپنے آپ سے Share کرنے کی تاب نہیں رکھتا وہ لاپتہ ہوجاتا ہے، لیکن اس کے نگارخانے میں ایک تصویر ملتی ہے جو عالم جذب میں بنائی گئی ہے.....روشنی اور سائے کے سنگم میں ایک زخمی عورت کا برہنہ جسم.....

شاید اسّر اب کسی عیسیٰ یا بدھ کے ورود پر یقین نہیں رکھتے۔ وہ اس بات کے قائل نظر آتے ہیں کہ انسان کو اپنی صلیب خود ہی ڈھونی ہے۔ ان کے نزدیک ہر آدمی ایک دوسرے سے مختلف ہے، لیکن اس بات کو جاننے سے ڈرتا ہے (کہانی کالی بلی) اس لیے سنیما گھروں، محفلوں، پارٹیوں اور تمام بھیڑ میں خود کو گم رکھنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن وہ جو دوسرے کی صلیب خود اپنے کندھے پر ڈھوتا ہے سب سے الگ ہوتا ہے۔ اسّر کہتے ہیں کہ الگ ہوکر زندہ رہنا بڑا مشکل ہے اس لیے پھر کوئی بدھ پیدا نہیں ہوا.....کوئی عیسیٰ پیدا نہیں ہوا۔

لیکن آدمی کی روح مسیحائی لمس کے لیے ترستی ہے۔ کہانی ''بجلی کا کھمبا'' اسی کیفیت کی کہانی ہے جس میں بجلی کا کھمبا اس غم زدہ آدمی کی علامت ہے جو پیار بھرے لمس کے بغیر بے جان ہے۔ کہانی کھمبے کے توسط سے بیان کی گئی ہے جس میں کہانی کا مرکزی کردار جب کھمبے سے الگ کھڑا ہوتا ہے تو اس کے لمس سے بے جان کھمبے میں بھی جان آجاتی ہے اور وہ گویا ہوجاتا ہے۔ اسّر لکھتے ہیں کہ آدمی کتنا غمزدہ کیوں نہ ہو اگر تنہا ہے تو وہ اپنے درد کے احساس سے مرجائے گا، لیکن روئے گا نہیں۔ آدمی ایک پیار بھرا لمس پاکر ہی پھوٹ پڑتا ہے۔ کہانی ''روح کا ایک لمحہ اور سولی پر پانچ برس'' کی نشی زندگی کو دل سے محسوس کرنا چاہتی ہے۔

''وقت کی رفتار میں چہرے اور دل بدل جاتے ہیں، لیکن کوئی ایک لمحہ ایسا ہوتا ہے جو منجمد ہوکے کہیں چھپ جاتا ہے اور پھر کسی انجانی حرارت سے پگھلنا شروع ہوجاتا ہے.....''

پانچ برسوں کی علیحدگی کے بعد نشی کی زندگی میں منجمد ماضی کا کوئی لمحہ یکایک متحرک ہواٹھتا ہے وقت کے ساتھ کسی جذبے سے محروم ہوجانے کا احساس اذیت ناک ہوتا ہے۔ نشی اس اذیت سے گزرنا نہیں چاہتی وہ اس ایک لمحے کو پھر سے جینا چاہتی ہے۔ اس لمحے کو تازہ کرنے کے لیے وہ لوٹ آتی ہے اور اس طرح اس منجمد اس متحرک لمحے کو پوری زندگی پر محیط کردینا چاہتی ہے۔ اسّر لکھتے ہیں کہ یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جب عورت ایک ماورائی حقیقت ہوتی ہے۔

اسّر کی کہانیوں کے بیشتر کردار یا تو مصور ہوتے ہیں یا کمپنی کے سیلز مین اور ایجنٹ۔ افسانوی مجموعہ ''کینوس کا صحرا'' میں ایک جیسی فضا بندی کا احساس ہوتا ہے۔ خود اسّر کے لفظوں میں شراب، حسین جسموں کی گردش، عارضوں کی روشنی، نفس کی آنچ، مسکراہٹیں، سرگوشیاں، بارش اور اسٹوو پر بنتی چائے.....

لیکن افسانوی مجموعہ ''پرندے اب کیوں نہیں اڑتے'' اور ادھر کی کچھ نئی کہانیوں میں اسّر اپنے ذہنی اور فکری ارتقا میں وجودیت سے مابعد جدیدیت کی طرف مائل بہ پرواز نظر آتے ہیں۔

اس سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور میں انسان نے تیزی سے ارتقا کی منزلیں طے کی ہیں۔ اسّر اس خدشے کو محسوس کررہے ہیں کہ انسان کا یہ ارتقا خود اس کی بقا کے لیے تشویش ناک ہے۔ وہ کبھی انسان کے حشر کو ایک Heat death کی صورت میں دیکھتے ہیں (کینوس کا صحرا) کبھی Vanishing Species کے طور پر (پرچھائیوں کا تعاقب) اور کبھی

شناخت اور کلچر کے بغیر محض ایک ہندسہ کے روپ میں ۔ کہانی ''میرا نام شنکر ہے'' میں لکھتے ہیں کہ کمپیوٹر عہد میں جہاں ہمارا نظم ونسق، سماج اور تمام کلچر جس طرح زد میں آرہا ہے وہاں آدمی کی شناخت نہ کلچر سے ہوگی نہ چہرے سے بلکہ ہندسوں سے ہوگی ۔ ارتقا کی منزلوں میں وہ مقام بھی آئے گا جب جب آدمی کا نام نہیں ہوگا چہرہ نہیں ہوگا، احساس نہیں ہوگا، شخصیت نہیں ہوگی، شناخت نہیں ہوگی ۔ بس وہ ایک ہندسہ سے منسوب ہوگا اور اعداد وشمار کے ایک وسیع عمل میں وہ ایک صفر کی موت مرنے پر مجبور ہوگا۔

''پرچھائیوں کے تعاقب میں'' اسّر اس تشویش میں مبتلا نظر آتے ہیں جس طرح فطرت کی رنگا رنگی ختم ہو رہی ہے تو نابود ہوتی Species کے درمیان آدمی کہیں خود نابود نہ ہو جائے ۔

انسان اپنے ارتقائی عمل میں اگر سپر مین ہو رہا ہے تو اسّر کی چاہ ہے کہ وہ اپنے ''آدم پرش'' کی طرف بھی لوٹ جائے ۔ اسّر کی یہ چاہ دراصل فطرت کی طرف مراجعت کی چاہ ہے ۔ ان کی کہانیوں کے بعض کردار آدی باسی ہو جانے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں اور ننگے پاؤں گھاس کے لمس کو محسوس کرنا چاہتے ہیں ۔ گویا فطرت سے ہم آہنگ ہو کر جینا چاہتے ہیں ۔ مثلاً نیند کی ایرا کی اچانک خواہش ہوتی ہے کہ گاڑی سے اتر کر چاندنی راتوں میں ننگے پاؤں گھاس پر تھوڑی دیر چلے .....آدی باسیوں کی طرح ننگے پاؤں گھاس پر دوڑے.....وحشیوں کی طرح کسی کو پکڑ کر جھنجھوڑے۔

''کالے گلاب کی صلیب'' کے دونوں کردار دیر تک ننگے پاؤں گھاس پر چلتے ہیں اور تاسف بھرے لہجے میں اس خواہش کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ اگر آدی باسی ہوتے تو اتنے پریشان نہیں ہوتے ۔ ''دے سائڈ ریلوے اسٹیشن'' کا نوجوان کردار آدی باسی جگ کی بات کرتا ہے۔

کہانی ''جنگل'' میں اسّر بیان کرتے ہیں کہ آدم پرش کا جنم جنگل میں ہوا تو روسیاہ اور بے حس ہو گیا۔ اسّر کا عقیدہ ہے کہ آدمی کے دل کے اندر کی گپھائیں گہری ہوتی جاتی ہیں۔ اس اعتبار سے اسّر کی کہانیاں دل میں گہری ہوتی گپھاؤں کی کہانیاں بھی ہیں جو آدم پرش کی بازیافت میں کوشاں نظر آتی ہیں۔

اسّر سے کبھی ملنے جایئے تو چائے اندر سے بن کر نہیں آتی ۔ اسّر خود اسٹوو جلاتے ہیں اور چائے بناتے ہیں ۔ اسّر کی کہانیوں میں بھی چائے اسٹوو پر خوب بنتی ہے ۔ کہانی ''میں وینس اور دو ہاتھ'' میں اسّر لکھتے ہیں:

> ''میں نے اسٹوو پر چائے کی کیتلی رکھ دی ۔ اس گم صم خاموش تنہائی میں اسٹوو کی آواز زندگی کا عجیب احساس دیتی ہے اور اگر باہر بارش ہو رہی ہو اور کمرے میں اسٹوو جل رہا ہو تو ایک Thrill ایک مہم سر کرنے کی خوشی ہوتی ہے۔''

بات معمولی نہیں ہے ۔ اسّر کی شخصیت اور فن سے اس کا گہرا تعلق ہے ۔ یہ اس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہے کہ اسّر کے یہاں اوڑھا ہوا احساس نہیں ہے ۔ وہ اپنی عملی زندگی میں جس طرح نظر آتے ہیں اسی طرح اپنی تحریروں میں بھی نظر آتے ہیں ۔ انھوں نے کرداروں کو اپنی داخلیت میں جیا ہے اور تخلیقی سطح پر ان کی بھرپور عکاسی کی ہے۔

○○

دہلی کے ممتاز صحافی

اس کتاب کی اشاعت کا اصل مقصد یہ ہے کہ ہمارے وہ باکمال صحافی جنھوں نے اپنی فکر و دانش سے ملک کے نظام کی سمت و رفتار متعین کی اور ایسے زمانے میں اس فن سے وابستہ رہے جب کہ یہ صرف گھاٹے کا سودا تھا لیکن ان سرکردہ صحافیوں نے اپنے اصولوں سے کبھی بے وفائی نہیں کی۔

ان اکابرین کی سوانح اور کارناموں کو منظرِ عام پر لانے کے لیے یہ کتاب ایک دستاویز کا درجہ رکھتی ہے۔ اکادمی کی کوشش ہے کہ ان لوگوں کے حالاتِ زندگی سے ہماری نوجوان نسل واقف ہو سکے نیز ان کے اصول وضوابط، ان کی میانہ روی سے سبق حاصل کر سکے۔

مصنف: سہیل انجم صفحات:۲۳۶، قیمت:۱۵۰روپے

ناشر: اردو اکادمی، دہلی